افکار: محمد عمر فاروق

میڈیا وار

وطن عزیز ان دنوں معاشی اور سیاسی بحرانوں کی لپیٹ میں ہے۔ حکومت اور اپوزیشن اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لیے زور آزمائی میں مصروف ہیں۔ آزمائش کی ان گھڑیوں میں عوام ہیں کہ مصائب و مسائل کا پشتارہ کمر پر لادے زندگی کی کٹھنائیوں سے نبرد آزما ہیں۔ بحران پیدا نہیں ہوتے پیدا کیئے جاتے ہیں۔ چاہے یہ بحران اقتصادی ہوں یا سیاسی، اخلاقی ہوں یا سماجی، ان سب کو ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت سامنے لایا جاتا ہے اور اپنے اہداف حاصل کر لیئے جاتے ہیں۔ تمام بحرانوں میں سے مہیب و خطرناک اخلاقی بحران ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم اخلاق و کردار سے تہی دامن ہو جاتی ہے تو اسے مغلوب کر کے بے دست و پا کر دیا جاتا ہے۔ آج کے تیز رفتار دور میں دشمن یہ کام ہزاروں میل دور بیٹھے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ثقافتی یلغار کی صورت میں کرتے ہیں۔ ہمارا میڈیا بھی آج کل چاروں اطراف سے نظریاتی دشمنوں کے نرغے میں ہے۔

۱۰ اکتوبر کو وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے پاکستان ٹیلی ویژن کے معاملات کا از خود نوٹس لیتے ہوئے آن ائیر جانے والے تمام مخرب الاخلاق پروگراموں کو فوراً بند کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، خصوصاً انگریزی اخبارات و جرائد میں ان پروگراموں کی بندش کے خلاف مضامین و شذرات کا وہ سلسلہ شروع ہوا ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آرہا۔ مضامین نگاروں نے مذکورہ پابندیوں پر تنقید برائے تنقید کی ہے۔ اگر تنقید کا مقصد اصلاح ہو تو کوئی بھی ذی شعور اور صاحب عقل و دانش اسے جی جان سے قبول کرنے میں پس و پیش کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن تنقید نگاروں کی فکر و دانش کے مطابق "میوزک، ڈانس، آرٹ اور ڈرامہ نے ہمیشہ ملک کو عظمتیں عطاء کی ہیں اور موجودہ پابندی کی صورت میں مستقبل میں پاکستان کے پاس دنیا کے سامنے پیش کرنے کیلیے کچھ نہ ہوگا"۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "ہماری قوم کو متحد کرنے کی ضرورت ہے۔ جو ایک ہی ذریعے سے ممکن ہے اور وہ ہے ڈرامہ اور ڈانس" ایک مزید فرمان کے مطابق، "یہ پابندیاں لوگوں کے بنیادی اور جمہوری حقوق کے خلاف ہیں۔"

ان آراء کی روشنی میں یہ سوالات ابھرتے ہیں کہ ہم کون ہیں؟ ہماری پہچان کیا ہے؟ ہماری شناخت کیا ہے؟ ہم کس نظریۂ حیات کے نمائندے ہیں اور ہمارے ملک کی نظریاتی اساس کیا ہے؟ وطن کو انگریز سامراج سے نجات پائے پچاس برس بیتنے کو آئے ہیں۔ لیکن ہم ابھی تک اپنی منزل اور شناخت کا تعین نہیں کر پائے۔ کیا ممتاز مسلم لیگی رہنما سردار شوکت حیات کا یہ بیان تسلیم نہ کر لیا جائے کہ: "تحریک پاکستان کے دوران "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" کا نعرہ مسلم لیگ کا نعرہ نہ تھا بلکہ اسے عوام میں شہرت حاصل ہو گئی تھی"۔ اور کیا اس بات پر بلا تردد یقین نہ کر لیں کہ: "بانیٔ پاکستان جناب محمد علی جناح

پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟"

ان سوالات کا جواب کون دے گا؟ اور ہماری شناخت کیونکر ہو سکے گی؟ ان سب کا جواب یہی ہے کہ جناب والا! یہ ملک اسلامی ملک نہ سہی، مسلمانوں کا ملک ضرور ہے۔ یہاں کے چودہ کروڑ عوام میں سے اقلیتوں کو چھوڑ کر عظیم اکثریتی آبادی بحمداللہ العزیز مسلمان ہے۔ جو قرآن اور حدیث اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنھم پر ایمان و ایقان رکھتی ہے۔ اس سوادِ اعظم کی شناخت اور پہچان اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ جس میں کافرانہ جمہوریت یا دیگر لادین نظام ہائے زندگی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پاکستانی قوم کا اسی کلچر پر یقین و اعتماد ہے جس کا عملی نمونہ آج سے چودہ سو برس پہلے جناب محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جزیرۃ العرب کی سرزمین پر پیش فرمایا تھا۔ ہم مسلمان بے عمل ضرور ہیں، کمزور اور حد درجہ ضعیف الایمان ہیں، لیکن ہرگز کافرانہ تہذیب و تمدن اور مشرکانہ مغربی کلچر کو کبھی اپنا کلچر کہنے کے لیے آمادہ و تیار نہیں ہیں۔

بحیثیت مسلمان اس تہذیب فرنگ کو کیسے قبول کیا جائے جس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی میں تمیز نہ برتی جائے۔ عورت کو خواہشات حیوانیہ کی تکمیل کا ذریعہ اور سیکس سمبل قرار دیا جائے۔ والدین بڑھاپے کی صبر آزما منزل تک پہنچیں تو بجائے ان کی خدمت کے انہیں سسک سسک کر مرنے کے لیے اولڈ ہاؤس کی قتل گاہوں میں چھوڑ دیا جائے۔ عریانی و فحاشی اور بے غیرتی و کمینگی ویسٹرن کلچر ہی کی وہ سوغاتیں ہیں جن پر فرنگیوں کا پشتینی غلام طبقہ جو ملک کی مجموعی آبادی میں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، فریفتہ و دیوانہ ہے۔ معززین و مقتدرین کا یہ گروہ پوری قوم کو سیکس فری دیکھنا چاہتا ہے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قوم کے معصوم نونہالوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے اور انہیں ذلت و گمراہی کی عمیق کھائیوں میں گرا دینے کیلیے ایسا غلیظ ماحول پیدا کیا جائے۔ جہاں کی جھوٹی چکا چوند اور وقتی کیف و سرور کے ذریعے نژادِ نو کے دین و ایمان اور حب الوطنی کے جذبات کا جھٹکا کیا جا سکے۔ بدقسمتی سے اب ایسا مکروہ ماحول یہاں پیدا کرنے کے سامان ہو چکے ہیں۔ قوم کی برداشت کا امتحان لیا جا رہا ہے اور میڈیا کے ذریعے شب و روز نوجوان نسل کو اپنی سان پر چڑھایا جا رہا ہے۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ جس ملک نے بھی موجودہ دور میں ترقی کی ہے۔ وہ ڈانس، میوزک اور آرٹ کی بجائے سائنسی ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر کی ہے۔ جاپان، کوریا اور ملائیشیا کی ترقی یافتہ حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ ممالک پچاس برسوں میں کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ جبکہ ترکی جس نے محض مغربی تہذیب و ثقافت کو اس حد تک قبول کر لیا کہ اپنی انفرادیت، کلچر، پہچان، شناخت اور اقدار کو مغربیت کے مکمل رنگ میں رنگ ڈالا۔ مگر نتیجہ کار یورپ کی تمدنی نقالی و تقلید سے نہ تو مادی ترقی نصیب ہو سکی اور نہ ہی قوم عروج سے آشنا ہوئی۔

مغرب جس کا کلچر دوسرے ممالک کے لیے باعث تقلید ٹھہرا، وہ خود اسی کے ہاتھوں بے چین بے قرار ہے۔ مادر پدر آزادی اور بے ہنگم ناچ کود، انہیں روحانی سکون فراہم کرنے میں یکسر ناکام ہو چکا ہے اور

ایک ہمارے فرنگ زدہ رہنما ہیں جو اس کلچر کے ذریعے ملک کو عظمت کی بلندیوں پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں اور قوم کو اتحاد و یگانگت سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔ خدارا! ہوش کے ناخن لیجئے! قوم میں حیاء و ایمان کی جو رمق موجود ہے اسے باقی رہنے دیجئے۔ بصورت دیگر سب کچھ لٹا کر ہوش میں آنے سے کیا فائدہ۔

ہمارا مغربی دلدادہ طبقہ ہندوستان کے کلچر کی شہرت کے گن گاتا ہے اور اس کی مخالفت پر ناک بھوں چڑھاتا ہے لیکن ان حقائق سے کیوں چشم پوشی کرتا ہے کہ گزشتہ سال جب ہندوستان میں مقابلۂ حسن منعقد ہوا تو خود ہندستان ہی کے باسیوں نے اسکی بھرپور مخالفت کی تھی۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب ہندوستانی ٹیلی ویژن نے جنسی تعلیم پر مبنی پروگرام شروع کرنا چاہا ہے تو ہندوستانی عوام نے ہی حکام کی یہ خواہش ناکام بنادی تھی۔ ہندو مسلم تہذیب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ناچ گانا ہندو تہذیب کا حصہ ہے اور یہی اطوار ہم اپنالیں تو پھر علیحدہ خطۂ ارض حاصل کرنے کی کیا ضررت تھی؟ یہ کام تو متحدہ ہندوستان میں بخوبی سرانجام دیا جاسکتا تھا۔ یہ تلخ حقیقت بھی ذھن میں رکھنی چاہیئے کہ جو طبقہ ہندوستانی فلموں کا دیوانہ ہو اور جن کے آئیڈیل بھارتی ایکٹرز اور ایکٹریس قرار پائیں تو کیا ہم اس سے یہ امید کرسکتے ہیں کہ وہ کشمیر کو بھارت کے پنجے سے چھڑانے کے لیے سینہ تان کر میدانِ عمل میں کود پڑیں گے۔ ہرگز نہیں، یہ سراسر دیوانے کا خواب ہے۔ جنگ محض طاقت اور وسائل کے بل بوتے پر نہیں لڑی جاتی بلکہ اس میں جذبۂ شوقِ شہادت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اب یہودیت اور عریانیت لازم و ملزوم ہوچکی ہے۔ بالی وڈ پر ان کا مکمل ہولڈ ہے۔ جس کے ذریعے وہ بلخصوص مسلم دنیا کو بے راہ روی کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں۔ نیوڈ فلموں کو دھڑا دھڑ پھیلایا جارہا ہے اور یہی کام ہماری سرحد کے پار بھی کیا جارہا ہے۔ حالیہ پابندیوں پر مشروب ساز کمپنیوں، پیپسی کولا اور کوکا کولا کی طرف سے بھی احتجاج سامنے آیا ہے۔ میڈیا سے جہاں ان کمپنیوں کے مالی مفادات وابستہ ہیں۔ وہاں یہ اپنے مذاہب، یہودیت اور عیسائیت کے مذموم مقاصد کے فروغ کے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ ان کا احتجاج تو سمجھ میں آتا ہے لیکن پاکستانی لکھاریوں کا واویلہ ناقابل فہم ہے۔ "جنون میوزیکل گروپ" کے سلمان احمد نے اپنے پروگراموں پر پابندی کے حوالے سے کہا ہے کہ:

"نوجوان ایسی کوئی پابندی قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ میوزیکل گروپوں نے عموماً اور جنون گروپ نے خصوصاً روحانیت اور حب الوطنی کے جذبات پیدا کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے جبکہ لبنیٰ جرار نقوی کا کہنا ہے کہ: "ان پروگراموں میں ایسی کوئی قابل اعتراض چیز نہیں تھی۔ پابندیوں کے بعد یہ چینل بور پروگرام پیش کر رہے ہیں"۔ آپ نے یہ بیانات ملاحظہ کیجئے۔ ان پر سوائے انا اللہ و انا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں پی ٹی وی کی ایم ڈی رعنا شیخ اپنی بے باکی اور قابل اعتراض پروگراموں کی تشکیل و ترتیب کے سلسلے میں اکثر عوامی حلقوں اور بالخصوص مسلم لیگ کا ہدف تھی۔ لیکن اب

مسلم لیگ کے اپنے دور اقتدار میں کچھ پروگراموں پر پابندی کے باوجود تاحال ایسے پروگرام زور و شور سے جاری ہیں کہ انہیں دیکھ کر پابندیوں پر تنقید کرنے والوں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پی ٹی وی کراچی سنٹر سے انور مقصود کا تحریر کردہ مزاحیہ ڈرامہ "سچے" ان نام نہاد پابندیوں کا منہ چڑاتا نظر آتا ہے۔ اس ڈرامہ میں ایسے ایسے فحش اور ذو معنی جملے ادا کیے جاتے ہیں کہ رائٹر کی سینہ زوری، سنسر حکام کی بے نیازی اور عوام کی شرمساری قابلِ دید ہوتی ہے۔ اور اس پر مستزاد خاندانی منصوبہ بندی والوں کا شرمناک "چابی والا" اشتہار ہے کہ جب سکرین پر آتا ہے تو اہلِ خانہ شرم کے مارے سر جھکا لیتے ہیں لیکن اربابِ اختیار کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

حیرت ہے کہ مذکورہ طبقہ اب بھی یہ کہتا ہے کہ ٹی وی بور پروگرام پیش کر رہا ہے۔ رہا سوال ان پابندیوں کے نتیجے میں لوگوں کا ڈش کی طرف رجحان ہو جانے کا۔ تو جناب والا! کون ڈش رکھنے والا پی ٹی وی کی نشریات پہلے دیکھا کرتا تھا۔ جواب دیکھے گا۔ اب تو پاکستان میں یہ مطالبہ بھی زور پکڑنے لگا ہے کہ انڈیا کی طرح پاکستان میں بھی بغیر لائسنس ڈش رکھنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

حیرانی ہے کہ ہمارے معاشرے کہ یہ فہمیدہ افراد یورپی سوسائٹی کی اخلاقی پستی و رسوائی، ان کے احوال و اعمال اور نتائج و عواقب دیکھتے ہوئے بھی کیوں جیتے جی گمراہیوں کی اتھاہ گہرائیوں کے باسی بننا چاہتے ہیں۔ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، روشنی کی کوئی ٹمٹماتی کرن قریب نہیں پھٹکتی۔ یہ لوگ ایسا معاشرہ کیوں نہیں تشکیل دینا چاہتے۔ جہاں محبت و رحمت ہو، آسودگی و خوشحالی ہو، عفت و عصمت ہو۔ تہذیب و اخلاق اور ایمان و اتحاد ہو۔ جہاں سدا بہار سکون بخش گلہائے تر کی عطر بیز خشبوئیں اور روح و وجدان کو ٹھنڈک و طمانیت بخشنے والے بادِ بہاری کے جھونکے اہلِ وطن کو ہمیشہ کیف و سرور بخشیں۔ امن و آشتی جہاں کا مقدر ہو اور ناآسودگی، بے سکونی و منافرت، گمراہی اور ارتداد جس کے قریب نہ پھٹکے۔

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل کہ جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

........خدا کرے۔ آمین

بقیہ از ص ۹

آج ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ کوئی مولوی کوئی پیر، کوئی سرمایہ دار، کوئی مل مالک، کوئی زمیندار، کوئی سید زادہ، اس سنت کو، اس معاشری قانون کو، رحمت للعالمین کی اس اداء سر سبد کو عمل میں کیوں نہیں بساتا؟ جو شخص معاشرے میں یہ حسن پیدا کریگا اسی کی آخرت حسین و جمیل اور پر نور ہو گی۔ وہ شخص حشر کے دن نبی کریم رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت میں ہو گا۔ اے کاش ہم سب اس حقیقی خوشی کو حاصل کر سکیں۔